مولانا سعید الرحمان صاحب علوی جعفری
(۲)

مجاہد جلیل
مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

شہداء بالاکوٹ کا اصلی مقابلہ انگریز سے تھا ـــــ !

ـــــ گذشتہ سے پیوستہ ـــــ

اس کے بعد دوسرے مسئلہ کو لیں یعنی شہداء بالاکوٹ کے مد مقابل کون تھے، سکھ یا انگریز۔؟ جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ آپ کی جو لڑائیاں وقوع پذیر ہوئیں ان میں مد مقابل سکھ ہی تھے اور سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے ہی آپ شہید ہوتے لیکن کیا آپ کا منتہائے مقصود سکھوں سے ہی نبرد آزما ہونا تھا یا کچھ اور ـــ ؟

سطحی قسم کے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ منتہائے مقصود یہی کچھ تھا اور بس۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بعض روایات بھی پیش کی جاتی ہیں، لیکن یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ باید وشاید اور تاریخ سے صریح ناواقفی کی کھلی دلیل! ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ حضرات مجاہدین کا مقصد اصلی ہندوستان کو پھر سے دار الاسلام بنانا تھا جو آپ کے شیخ سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے فتویٰ کے پیشِ نظر دار الحرب بن چکا تھا، ہند کو دار الاسلام بنانے کیلئے سکھوں سے زیادہ انگریز سے دو دو ہاتھ ہونے کی ضرورت تھی۔ لیکن دستِ قضاء و قدر نے یہ موقعہ ہی مہیا نہ کیا اور آپ اپنے پروگرام کی تکمیل سے پہلے ہی بالاکوٹ کی سرزمین کو لالہ زار بنا کر رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے اگر موقعہ ملتا اور بداندیش وضمیر فروش سردارانِ قوم کی بدعہدی وغداری سے دوچار نہ ہونا پڑتا تو آج ہند کا نقشہ کچھ اور ہوتا لیکن۔ ہے

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اس کے باوجود مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں بالاکوٹ کی بلندیوں سے شہداء کی پکار ہے اگر ہم آج

بھی کان دھریں اور اس آواز کو کام میں لاکر ان کی طرح سراپا عمل بن جائیں تو نقشۂ عالم وہی ہو سکتا ہے۔ شہداء کی آواز کیا ہے۔؟ یہی تو کہ ـــــ زندگی کے پست اور تنگ نظریئے کو خیرباد کہو، قوت اقتدار اور ترقی میں ہمالیہ کی چوٹیوں سے بھی بلند ہو جاؤ، کیا کبھی کسی نے اس آواز پر کان دھرا اور اس وجد آفرین نغمہ کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دی۔؟ نہیں ہرگز نہیں۔

شاعرانِ فرنگ کی تعلیم نے ہمارے دل و دماغ کو ایسا بدلا کہ ہم این و آن کے چکر میں پڑ کر رہ گئے۔ اپنی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا، خود مفلوج ہو کر بیٹھ گئے اور نکتہ چینی ہمارا شیوہ بن گیا۔ بالاکوٹ کے مدفنوں سے نکتہ چین حضرات کو آج بھی پکار کر کہا جا رہا ہے ؎

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہ کن — بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو دے سکا
کس منہ سے اپنے آپکو کہتا ہے عشق باز — اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

اے کاش! ہم اس آواز کو سنتے اور سعی و عمل میں لگ جاتے تو ہمارے بلند ہمت اسلاف جو راستہ متعین کر گئے تھے، اس پر چل کر کبھی کی منزل پا لیتے۔ لیکن طاؤس و رباب کی رسیا قوم نے ڈائننگ روموں میں بیٹھ کر نکتہ چینی کا فن تو سیکھ لیا، ہر عمل سے عاری ہو گئی، فیا للعجب۔

بہرحال آئیں تاریخ کے جھروکوں سے مستند شہادتیں سنیں اور پھر فیصلہ کریں کہ مجاہدینِ اسلام کا مدمقابل کون تھا، سکھ یا انگریز ـــــ؟ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے، اس سے انکار ناممکن ہے کہ تحریک کی ابتدائی کڑی حضرت حکیم الامت مولانا الشاہ محدث الدہلوی ولی اللہؒ تھے۔ حضرت شاہ صاحب ہی وہ پہلے صاحبِ بصیرت انسان ہیں جنہوں نے وطنِ عزیز کے حالات کا بغور مطالعہ کیا اور اصلاح احوال کیلئے صحیح صورت کی نشاندہی کی وہ صحیح صورت کیا تھی ـــــ؟ یہی کہ فک کل نظام! یعنی سیاسی و سماجی زندگی کے ہر ایک شعبہ میں انقلاب!

آپ مکہ معظمہ میں تھے کہ ۲۱ ذی قعدہ ۱۱۴۴ھ مطابق ۱۷۳۱ء شب جمعہ آپ نے غیب کی یہ آواز سنی کہ ملک و ملت کی فلاح اسی میں مضمر ہے کہ دورِ حاضر کے تمام نظاموں کی دھجیاں بکھیر دی جائیں اور ایک ہمہ گیر انقلاب بپا کیا جائے۔ چنانچہ سفر مقدس سے واپسی پر آپ نے نصب العین ہی یہی سامنے رکھا کہ فک کل نظام! (فیوض الحرمین اور شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک ص ۲۶)

اپنے نصب العین کو تکمیل تک پہنچانے کیلئے آپ نے پہلا قدم تعلیم و تربیت کا اٹھایا، اس کے لئے دہلی، رائے بریلی تکیہ شاہ علم اللہ (جو سید احمدؒ کے بزرگ تھے۔) مدرسہ نجیب آباد اور مدرسہ ملا معین ٹھٹھہ (سندھ) اور لکھنو مراکز مقرر کئے مختلف مقامات پر مختلف حضرات

ان تربیت گاہوں میں متعین ہوئے جن کا کام نظریات حکیم الامت کا پرچار اور اس کے مناسب تعلیم و تربیت تھی، افسوس یہ ہے کہ نشر و اشاعت کی مشکلات اور پریس کی طاقت سے محرومی کے سبب حضرت کے نظریات کا جس طرح پرچار ہونا چاہئے تھا نہ ہو سکا، ورنہ مارکس اور لینن کی طرح عالم اسباب میں آپ کو بھی وسائل میسر آجاتے تو آج نقشۂ عالم کچھ اور ہوتا۔ پھر طوائف الملوکی اور قیامت خیز ہنگاموں (جن میں مرہٹوں کی دلی پر یلغار، نادر شاہ کا قتل عام، دلی کی بے پناہ لوٹ اور ابدالی جنگ پانی پت شامل ہیں) کے سبب آپ کو فرصت نہ ملی کہ آپ اپنے انقلابی منشور (مینی فسٹو) کو یکجا مدون اور مرتب کر سکیں اس کے باوجود آپ نے اپنے انقلابی نظریات کو کبھی ترجمہ قرآن کریم کے رنگ میں کبھی تصوف اور فلسفہ اسلامی کے ضمن میں (حجۃ اللہ البالغہ بدور بازغہ فیوض الحرمین) کبھی نصیحت و موعظمت کے پیرایہ میں (تفہیمات الہیہ) اور کبھی تاریخ اسلام اور خصائل صحابہؓ کے جامہ میں (ازالۃ الخفاء) پیش کیا، افراتفری کا دور اور پھر ستم بالائے ستم کہ شاہ صاحب نے ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۳ء میں کتاب زندگی کا آخری ورق پلٹ کر مالک حقیقی کے وصال کا مژدہ جانفزا پا لیا۔ آپ کے فرزند رشید شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بعمر ۱۷ سال والد کے مسند کو سنبھالا اور جس نصب العین کی خاطر عظیم باپ نے ایک پروگرام کی طرح ڈالی تھی اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اپنے آپ کو ہر طرح سے جانشینی کے اہل ثابت کر دیا ۔۔۔۔۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اس لائق جانشین نے اپنے عظیم باپ کے نظریات انقلاب کو عام کرنے کیلئے تربیت گاہ کو وسعت دی۔ اس تربیت گاہ کے مقاصد میں حکیم الامت کے نظریات کو ذہن نشین کرانا خدا پرستی، خوفِ خدا اور پاکبازی کا سچا جذبہ پیدا کرنا، ملوکیت و شاہ پرستی کے جراثیم دماغوں سے نکالنا، جذبۂ فدائیت، خدمت خلق، سادگی، فوجی اسپرٹ پیدا کرنا، عیاشی کے تمام اڈے ختم کرنا شامل تھا (شاندار ماضی ص ۱۰۳) اور تربیت کے لئے تین طریقے مقرر ہوئے ۔۔۔۔ پہلا درس و تدریس کا، جسکی وسعتوں کا یہ عالم تھا کہ پورے ہند میں ایک عالم ایسا نہ رہا جو کسی نہ کسی واسطہ سے شاہ عبدالعزیزؒ سے متعلق نہ ہو۔ (سیاسی تحریک ص ۱۱) دوسرا طریقہ روحانی تربیت کا تھا، اور اس میں بھی اس خاندان اور معتقدین کے ایک ایک فرد کو کمال حاصل تھا۔ (تفصیل شاندار ماضی جلد دوم میں دیکھیں) تیسرا طریق پبلک جلسوں کا تھا۔ چنانچہ خود شاہ عبدالعزیزؒ ہفتہ میں دو بار عام جلسوں میں وعظ فرماتے۔

اس تربیت گاہ سے جن گرامی قدر حضرات نے فیض پایا ان میں شاہ عبدالقادرؒ، شاہ

رفیع الدینؒ، شاہ عبدالغنیؒ (برادرانِ شاہ صاحبؒ) شاہ محمد اسحاقؒ، شاہ محمد یعقوبؒ (شاہ صاحبؒ کے نواسے) مولانا عبدالحیؒ (داماد) مولانا شاہ اسماعیلؒ (بھتیجے) سیّد احمد بریلویؒ مولانا رشید الدینؒ، مفتی صدرالدینؒ، شاہ غلام علی صاحبؒ مولانا کریم اللہؒ، مولانا مخصوص اللہ، میر محبوب علیؒ، مولانا عبدالخالق دہلویؒ، مولانا حسین احمدؒ ملیح آبادی، مولانا حسن علی لکھنویؒ، مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ جیسے یگانہ روزگار افراد شامل ہیں، ان کوششوں کا نتیجہ وہی ہوا جو عام طور پر ہوا کرتا ہے۔ یعنی شاہ عبدالعزیزؒ اور آپ کے ساتھیوں کو ستایا گیا۔ ہر طرح غنڈہ گردی ہوئی، جائیداد ضبط ہوئی، شہر بدر ہونا پڑا اور قتل تک کی سازشیں ہوئیں۔ (یاد رہے کہ اس مکروہ پروگرام میں شیعہ کارپردازانِ حکومت جو حامی انگریز تھے اور جن کا سرغنہ نجف خان تھا پیش پیش تھے۔)

حالات دگرگوں ہوئے انگریز دشمن اور حریت پسند فرمانروا بدعہدیوں کا شکار ہو کر قتل ہو گئے اور عجیب افراتفری پھیلی۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب نے ایک سوال کے جواب میں درج ذیل فتویٰ لکھا۔ (اصل جواب فارسی میں ہے اس کا اردو ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔) از فتاویٰ عزیزی ص ۱۰۱ فارسی مطبوعہ مجتبائی دہلی۔

"یہاں رؤسا نصاریٰ (عیسائی افسران) کا حکم بلا دغدغہ اور بے دھڑک جاری ہے اور ان کا حکم جاری اور نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ملک داری، انتظامات، رعیت، خراج، باج، عشر و مال گذاری، اموالِ تجارت، ڈاکوؤں اور چوروں کے انتظامات، مقدمات کے تصفیے، جرائم کی سزاؤں وغیرہ (یعنی سول، فوج، پولیس، دیوانی اور فوجداری معاملات، کسٹم، ڈیوٹی وغیرہ) میں یہ لوگ بطور خود حاکم اور مختار مطلق ہیں، ہندوستانیوں کا ان کے بارے میں کوئی دخل نہیں، بیشک نماز جمعہ عیدین، اذان اور ذبیحہ گاؤ جیسے اسلام کے چند احکام ہیں وہ ان میں رکاوٹ نہیں ڈالتے، لیکن جو چیز ان سب کی جڑ اور حریت کی بنیاد ہے۔ (یعنی ضمیر کی آزادی اور آزادی فکر) وہ قطعاً بے حقیقت اور پامال ہے، چنانچہ بے تکلف مسجدوں کو مسمار کر دیتے ہیں، عوام کی شہری آزادی ختم ہو چکی ہے انتہا یہ کہ کوئی مسلمان یا ہندو ان کے پاسپورٹ اور پرمٹ کے بغیر اس شہر یا اس کے اطراف و جوانب میں نہیں آسکتا عام مسافروں یا تاجروں کو شہر میں آنے جانے کی اجازت دینا بھی ملکی مفاد یا عوام کی شہری آزادی کی بنا پر نہیں بلکہ خود اپنے نفع کی خاطر ہے اس کے بالمقابل خاص خاص ممتاز اور نمایاں حضرات مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم ان کی اجازت کے بغیر اس ملک میں داخل نہیں ہو سکتے۔ دہلی سے کلکتہ تک انہی کی عمل داری ہے، بیشک کچھ دائیں بائیں مثلاً حیدرآباد، لکھنؤ، رام پور میں

چونکہ وہاں کے فرمانرواؤں نے اطاعت قبول کر لی ہے براہ راست نصاریٰ کے احکام جاری نہیں ہوتے (مگر اس سے پورے ملک کے دارالحرب ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔)

پھر فتاویٰ کے صفحہ ۱۸۴ میں بعض اعتراضات مخالفین کا جواب دے کر ہند کا دارالحرب ہونا ثابت کیا ہے۔

یہی وہ معرکۃ الآراء فتویٰ ہے جس سے ملک میں تہلکہ مچ گیا اور جو دراصل شاہ ولی اللہؒ کے فک کل نظام کے نصب العین کی تکمیل کی پہلی کڑی تھی، اسی نصب العین کی تکمیل کیلئے مختلف گروپ بنائے گئے تھے جن میں سے ایک گروپ سید صاحب کی زیر قیادت بنایا جس میں مولانا عبدالحی اور شاہ محمد اسماعیل جیسے حضرات تھے، اور ان کی ذمہ داریاں پہلے عرض کی جا چکی ہیں، دوسرا گروپ خود آپ کی زیر قیادت تھا جسکا کام مرکز میں رہ کر اسکی مضبوطی کا انتظام کرنا (استحکام) تعلیم و تربیت کا طریق جاری رکھنا اور جنگی گروپ کیطرح مدد کرنا اور کمک پہنچانا تھا، اس گروپ میں مولانا شاہ محمد اسحاقؒ، شاہ محمد یعقوبؒ، مفتی رشید الدینؒ، مفتی صدر الدین دہلویؒ، مولانا حسن علی لکھنویؒ، مولانا حسین احمد ملیح آبادیؒ اور مولانا شاہ عبدالغنی دہلویؒ جیسی شخصیتیں شامل تھیں، چنانچہ جنگی بورڈ نے سات سال میں ملک کے تین دورے کر ڈالے۔ بقول مولانا عبیداللہ سندھیؒ: امام عبدالعزیزؒ نے سید احمد شہید کے بورڈ کو پہلی دفعہ ۱۲۳۱ھ میں بیعت طریقت کیلئے دوسری دفعہ بیعت جہاد کیلئے دورے پر بھیجا، اس کے بعد سارے قافلہ سمیت، حج پر جانے کا حکم دیا تاکہ انکی تنظیمی قوت کا تجربہ ہو جائے۔ جب قافلہ ۱۲۳۹ھ میں واپس آیا تو امام عبدالعزیزؒ فوت ہو چکے تھے۔ (سیاسی تحریک ص۱۱۱) سید صاحب کا پہلا دورہ ہی اپنے اندر عجیب رنگ رکھتا ہے، سماجی اصلاحات، ہندو مسلم بھائی چارے، ورزش، جفاکشی، ضبط و تحمل اور جہاد حریت کی ترغیب اس سفر کے اہم ترین مشاغل تھے، اس کے بعد جب سفر حج ہوا وہ بھی حقیقۃً پروگرام جہاد کی ایک کڑی تھا۔ جو بقول مولانا سندھیؒ تنظیمی قوت کا امتحان لینے کیلئے ہوا تھا۔ ورنہ حقیقت میں نگاہیں دیکھ سکتی ہیں کہ مفلوک الحال لوگوں پر حج کیسے فرض ہو گیا تھا۔؟ ان دوروں میں زیادہ تر نذرانے ملتے ہیں۔ تو سامان حرب کے۔ اور ترغیب ہے تو جہاد حریت کی۔ سوال یہ ہے کہ یہ پروگرام سکھوں کیلئے تھا۔؟ نہیں ہرگز نہیں، ان کا مقصد کچھ اور تھا۔ اور وہ مقصد مشہور انگریز مورخ ہنٹر خود متعین کرتا ہے۔

جب سید احمد صاحبؒ حج سے واپس آئے (ذہن میں رکھیں کہ بقول مولانا سندھی سفر حج تنظیمی قوت کا امتحان تھا۔) تو آپ کے ارادے کیا تھے۔۔۔ ہنٹر جواب دیتا ہے: پہلے جو چیز

خواب و خیال میں تھی، اب ان کو حقیقی روشنی میں نظر آنے لگی جس میں انہوں نے اپنے آپ کو ہندوستان کے ہر ضلع میں اسلامی جھنڈا گاڑتے اور صلیب کو انگریزوں کی لاشوں کے نیچے دفن کرتے ہوئے دیکھا۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص۸۹) اور ان کی نگاہ ہر وقت سرحد کی دور دراز جنگ جو آبادی پر لگی رہتی تھی (ص۹۰) اور بقول منشی محمد جعفر تھانیسریؒ مراقبہ اور مشاہدہ کی جگہ ہجرت و جہاد کا بیان اور تلوار بندوق کی صفائی کی تعلیم ہوتی تھی اور تحفے اکثر ہتھیار آتے۔ (سوانح احمدی ص۸۹)

پھر سیّد صاحب کے اپنے جملے ملاحظہ فرمائیں، بیگانگانِ بعید الوطن اور تاجرانِ متاع فروش کو نکال کر مناصب ریاست و سیاست ان اہل وطن کے سپرد کئے جائیں جو اس کے مستحق ہیں۔ (خط سیّد صاحب بنام راجہ وراؤ وزیر اور غلام حیدر خان منصب دار ریاست گوالیار)

ڈاکٹر ہنٹر کی مندرجہ بالا شہادت، منشی محمد جعفر کا قول اور سید صاحب کا مکتوب گرامی (نیز مولانا شہید کی منصب امامت والی عبارت جو پہلے گذری) ملاحظہ کرنے کے بعد اگر کوئی اس حقیقت کو نہ سمجھے کہ اصل مقابل کون تھے تو اسکا علاج نہیں۔ پھر انگریز کے مدِ مقابل ہونے پر ایک اور شہادت ملاحظہ فرمائیں:-

سکھوں کی حکومت پنجاب میں تھی، بنگال میں قریب ۸۰ سال سے انگریز حکمران تھا، جونہی ۱۸۳۰ء میں سیّد صاحب نے پشاور پر قبضہ کر لیا تو آپ کے خادم خاص ٹیٹو میاں نے سفید فام درندوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص۶۸) ایسا کیوں ہوا—؟ اس کے ساتھ ہی ایک انگریز کیپٹن کی تاریخ دیکھیں۔ "سیّد احمد کے عمل سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کافروں سے ان کی مراد صرف سکھ تھے۔ لیکن ان کے صحیح مقاصد پورے طور پر نہیں سمجھے گئے وہ انگریزوں پر حملہ کرنے میں محتاط ضرور تھے لیکن ایک وسیع اللہ آباد ملک پر ایک دور دراز ملک کی قوم کا اقتدار ان کی مخالفت کیلئے کافی سبب تھا۔" (تاریخ سکھ از کیپٹن کنگھم بحوالہ سیرت سیّد احمد ص۳۲۵) ایک مزید شہادت ملاحظہ فرمائیں، سیّد صاحبؒ کے زمانہ جہاد میں ایک انگریز سیّاح میسن نامی اس علاقہ میں آیا اس نے سیّد صاحب کا نصب العین یہ بتلایا "سکھوں کا استیصال اور پنجاب پر قبضہ پھر ہندوستان اور چین پر تسلّط۔" (سیرت سیّد احمد شہید ص۲۵۹) انگریز مورخین کی یہ عبارتیں ہمارے مدعا کے لئے کافی ہیں کہ اصلی مدِ مقابل کون تھا—؟ اس کے علاوہ واقعاتی دنیا میں کھلی ہوئی شہادت جسکی تردید ناممکن ہے یہ کہ ۱۸۳۱ء میں واقع بالاکوٹ پیش آیا اس کے بعد باقی ماندہ مجاہدین ستیانہ میں مقیم ہو گئے، تا آنکہ ۱۸۴۶ء میں سکھ حکومت ختم

ہوگئی اور ۱۸۴۹ء میں تین سال بعد پنجاب کا الحاق مکمل ہوگیا، اب سید صاحبؒ کے معتقدین کو چاہئے تھا کہ وہ سجدہ شکر بجالاتے کہ سکھوں کا پرچم سرنگوں ہوا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے سرحد پار محاذ بنا کر انگریزوں کے ناک میں دم کئے رکھا، اور یہ سلسلہ انگریزی اقتدار کی بساط لپیٹ جانے تک جاری رہا۔ سوال یہ ہے کہ مقابل سکھ تھے تو ایسا کیوں ہوا۔۔۔؟ اور آخر میں امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا ایک معنی خیز جملہ پڑھیں پھر سارے نقاب الٹ جائیں گے۔ آپ فرماتے ہیں۔ "ایسٹ انڈیا کمپنی گذشتہ ڈیڑھ سو برس سے سیاسی اقتدار حاصل کر رہی تھی، مگر اس نے ایک تجارتی لباس میں مستور رہنا ضروری سمجھ رکھا تھا، واقعہ بالاکوٹ کے دو سال بعد ۱۸۳۳ء میں یک لخت تجارت کا لبادہ اتار کر وہی حکومت کی مالک بن جاتی ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ۔ (سیاسی تحریک ص۱۷۳)

چنانچہ اس کے بعد ہی بہادر شاہ کا موقوف ہو کر ایسٹ انڈیا کمپنی کا سکہ رائج ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اتنی ٹھوس شہادتوں کے بعد بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ مدِ مقابل سکھ تھے۔؟ یہ کہنا ستم ظریفی کی انتہا ہوگی اور تعصب کی کھلی مثال۔ اگر شاہ ولی اللہ کے نصب العین (فک کل نظام) پھر شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ (ہند دارالحرب) اور سیّد صاحب کا اس مشن کیطرف سے ایک کمانڈر کی حیثیت میں مہم پر جانا، ان کڑیوں کو ملایا جائے اور اس کے بعد انگریزوں کی اپنی شہادتیں دیکھی جائیں تو حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مقصود انگریز کا استیصال تھا، اور ملک کو پھر سے دارالاسلام بنانا! لیکن یہ الگ بات ہے کہ تقدیر نے اس کا موقعہ مہیا نہ کیا اور اس کے بھی کچھ اسباب تھے جن میں سب سے بڑا سبب نام نہاد مسلم فرمانرواؤں اور سرداروں کی بدعہدی و غداری تھی جسکی سزا ان لوگوں کو منعم حقیقی کے دربار سے یقیناً مل کر رہے گی۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ۔

—— باقی آئندہ ——

مشہور برطانوی فلسفی لارڈ برٹرنڈ رسل نے تسخیر چاند کی مہم پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے:
"یہ مہم انسانی قوت کی عظمت کے اظہار سے زیادہ دو بڑی طاقتوں کے درمیان ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش ہے ..... ان دونوں بڑی طاقتوں کے درمیان اہم بات یہ نہیں ہے کہ چاند کی تسخیر کی جائے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ ہم دوسرے کے مقابلے میں پہلے چاند پر پہنچ جائیں۔"

لارڈ رسل نے ایک اور معنی خیز مشورہ بھی دونوں بڑی قوموں (امریکہ اور روس) کو دیا ہے کہ:
"تم زمین پر ہی ایک دوسرے کو نہایت سستے داموں ہلاک کر سکتے ہو، کیوں خلائی سفر جیسے بہت مہنگے طریقے پر ایک دوسرے کو تباہ کرنا چاہتے ہو۔!"